OPEN ACCESS
Al-ISRA
﴾International Journal of
Islamic Thought﴿
ISSN: 2959-3603
www.israjr.com

Al-ISRA
Vol.:5, Issue: 1, Jan -March 2026 PP: 184-199

لیلیٰ احمد کے فکری تناظر میں فیمنزم کی تاریخی اور فکری تشکیل: مسلم فیمنزم اور نوآبادیاتی بیانیے کا ایک تنقیدی مطالعہ

The Historical and Intellectual Formation of Feminism in the Thought of Leila Ahmed: A Critical Study of Muslim Feminism and Colonial Discourse

Dr. Hafiza Bareera Hameed
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govt.Sadiq College Women University, Punjab, Pakistan
Email: bareera.hameed@gscwu.edu.pk

Rahma Arshad Mughal
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Govt.Sadiq College Women University, Punjab, Pakistan
Email: rahmaarshad23@gmail.com

Abstract

This research-oriented and critical study explores the historical and intellectual formation of feminism through the theoretical framework of Leila Ahmed, a leading Muslim feminist scholar. The study aims to reconceptualize feminism not as a universal or monolithic ideology, but as a discourse shaped by specific historical, cultural, and colonial contexts. Drawing primarily on Ahmed's seminal work Women and Gender in Islam, the paper examines how Western feminist narratives have historically constructed representations of Muslim women within colonial discourse, and how Ahmed critically deconstructs these representations. The study further highlights Ahmed's reinterpretation of Islamic history and textual traditions to reassess women's status in Muslim societies. By challenging both Western hegemonic feminism and indigenous patriarchal structures, Leila Ahmed offers an alternative feminist epistemology that plays a significant role in the intellectual formation of Muslim feminism. This research thus contributes meaningfully to contemporary feminist and gender studies scholarship.

Keywords: *Leila Ahmed; Feminism; Muslim Feminism; Feminist Theory; Gender Studies; Colonial Discourse; Islam and Gender; Women and Gender in Islam.*

CC BY

تمہید

مسلم نسوانیت پسند دانشور لیلیٰ احمد کے نظریاتی زاویے سے فیمنزم کی تاریخی اور فکری نشو و نما کا جائزہ لیتا ہے۔ اس تحقیق کا مرکزی ہدف یہ ہے کہ فیمنزم کو ایک عالمی اور ناقابل تغیر نظریہ کی بجائے ایک ایسی سوچ کی تحریک سمجھا جائے جو خاص تاریخی، فرہنگی اور استعماری حالات میں پروان چڑھتی ہے۔ لیلیٰ احمد کی کتابیں، خاص طور پر "وومن اینڈ جینڈر ان اسلام" کی روشنی میں، یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ مغربی فیمنزم نے استعماری داستانوں کے ذریعے مسلم خواتین کی تصویر کشی کیسے کی، اور لیلیٰ احمد نے اس داستان کو تنقیدی طور پر چیلنج کیا۔ اس تحقیق میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ لیلیٰ احمد اسلامی تاریخ اور دستاویزات میں خواتین کی حیثیت کی نئی توضیح کرتی ہیں، جو نہ صرف مغربی غلبے پر سوال اٹھاتی ہے بلکہ مسلم سماجوں میں پائے جانے والے مقامی مردانہ بالادستی کے نظاموں پر بھی تنقید کرتی ہے۔ اس طرح یہ جائزہ مسلم فیمنزم کی فکری بنیادوں اور اس کی نظریاتی حدود کو جاننے میں ایک مفید علمی شراکت فراہم کرتا ہے۔

لیلیٰ احمد کی دانشورانہ جدوجہد اسلامی فیمنزم کی تاریخ، اس کی بنیادوں اور استعماری سیاق میں اس کی اہمیت کو گہرے طور پر سمجھنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ وہ فیمنزم کو صرف مغربی استعمار سے جڑی ہوئی ایک پرانی داستان تک محدود نہیں رکھتیں بلکہ مسلم سماجوں میں موجود معاشرتی اور فرہنگی عناصر کو اس کی جڑوں کے طور پر اجاگر کرتی ہیں۔ احمد کے خیال میں اسلامی فیمنزم مغربی تصورات کی محض نقل نہیں، بلکہ ایک ایسی دانشورانہ تحریک ہے جو اپنی پہچان مقامی حالات، مذہبی عقائد اور سماجی رسوم سے حاصل کرتی ہے۔ ان کی نظر میں خواتین کی آزادی صرف صنفی مساوات کا معاملہ نہیں، بلکہ اقتدار کے ڈھانچوں، علم کی ساخت اور فرہنگی تفہیم کی نئی تشریح سے منسلک ایک سوال ہے، جو خاص طور پر استعمار کے بعد از سر نو ہیت اختیار کر لیتا ہے۔

تعارف:

ایک نامور مصری پس منظر کی حامل نسوانی مفکر ہو، جو کتاب "Women and Gender in Islam" کی مصنفہ ہیں۔ نسوانیت کے اصولوں کو صرف مغربی فلسفہ کی حدود میں قید نہیں کرتیں، بلکہ انہیں اسلامی تاریخ، ثقافتی اثاثوں اور معاشرتی نظاموں کے زاویے سے ایک تازہ اور جامع شکل عطا کرتی ہیں۔ ان کی رائے میں فیمنزم صرف مرد و زن کی برابری کا دعویٰ نہیں، بلکہ یہ ایک جامع فکری نظام ہے جو معاشرتی انصاف، انسانی عزت اور عورتوں کی سماجی و مالی استقلالیت پر مبنی ہے۔

ان کی نظر میں اسلام کی بنیادی ہدایات —جو قرآن مجید اور حضور اکرم ﷺ کی سنت میں عدل، مہربانی اور باہمی تعاون کے اصولوں سے عبارت ہیں— عورتوں کو ایک متحرک، معزز اور خود مختار کردار فراہم کرتی ہیں۔ البتہ، ان کے مطابق آنے والے ادوار میں سیاسی، تاریخی اور استعماری اثرات نے اس ابتدائی توازن کو خراب کیا اور خواتین کی سماجی حیثیت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کیں۔ وہ ایک ایسی متوازن سوچ کی حامی ہیں جو مغربی فیمنزم کی تمام باتیں بغیر سوچے سمجھے قبول نہ کرے اور نہ ہی روایتی اور مقامی نقطہ نظر کو غیر لچکدار اور حتمی قرار دے، بلکہ دونوں کے بیچ گفت و شنید، تنقیدی جائزہ اور عملی اطلاق کی بنیاد پر آگے بڑھے۔

ڈاکٹر لیلیٰ احمد نے فیمینسٹ دانشور فاطمہ مرنیسی کی فکر کو مزید وسعت دی تیم نے اپنی اعلیٰ تعلیم کیمبرج یونیورسٹی، برطانیہ سے حاصل کی، جہاں سے بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں مکمل کیں۔ اس کے بعد امریکہ منتقل ہوئیں اور ۱۹۹۹ میں ہارورڈ ڈیوینیٹی اسکول میں پہلی پروفیسر آف ویمنز سٹڈیز ان ریلیجن کے طور پر تقرر پائی، جہاں بعد میں ۲۰۰۳ میں ویکٹر ایس تھامس چیئر پر فائز ہوئیں اور اب بھی تدریس اور تحقیق سے وابستہ ہیں۔ ان کی تحریروں کی تعداد کافی ہے، جن میں سے کچھ عورتوں کے مسائل پر توجہ مرکوز رکھتی ہیں جبکہ دیگر ان کی تعلیمی، پیشہ ورانہ اور ذاتی دلچسپیوں کو ظاہر کرتی ہیں، مگر ان کا سب سے نمایاں اور اثر انگیز کام "Women and Gender in Islam" کو مانا جاتا ہے۔ اس کتاب میں وہ تاریخی تجزیے کا طریقہ استعمال کرتے ہوئے موجودہ دور کی تین اہم فکری اور معاشرتی پہلوؤں کے درمیان تنازعات کی جڑیں تلاش کرتی ہیں، اور اسلام کے ابتدائی زمانے سے لے کر مختلف تاریخی مراحل تک خواتین کی سماجی حیثیت اور ذمہ داریوں کا مفصل تجزیہ پیش کرتی ہیں۔ پھر وہ مصر اور دیگر مسلم سماجوں میں عصر حاضر کے خواتین سے جڑے موضوعات — جیسے پردے کا حکم، طلاق کے احکام اور کثیر الازدواجی — کا جائزہ لیتی ہیں۔ ڈاکٹر لیلیٰ احمد مجموعی طور پر فاطمہ مرنیسی کی آراء اور دلائل سے متفق ہیں، تاہم ان کا طریقہ کار زیادہ موازناتی ہے اور وہ ثقافتی عوامل کو کلیدی حیثیت دیتی ہیں۔ مثلاً، "مڑی ہوئی پسلی" کا خیال ان کی نظر میں بازنطینی ثقافت کے زیر اثر پیدا ہوا۔ اسی طرح، وہ افریقی روایتی سخت گیر رویوں اور مصری آزادی پسند مزاج کے درمیان پائے جانے والے فرق کو بھی واضح کرتی ہیں۔

ان کی نظر میں "جہالت" کی اصطلاح کا استعمال ناپسندیدہ ہے، کیونکہ یہ معاشرتی سطح پر نقصان دہ اثرات چھوڑتی ہے، اگرچہ وہ یہ بھی قبول کرتی ہیں کہ اسلام نے عرب سماج میں خواتین کی جنسی آزادی کو کچھ پابندیوں کا پابند بنایا۔ لیلیٰ احمد پیغمبر اکرم ﷺ کی ہدایات کی قانونی یا تفصیلی وضاحت اور ان کی اخلاقی معنی کے درمیان امتیاز قائم کرتی ہیں۔ ان کے مطابق اسلام کے پائیدار احکامات کو تبدیل ہوتے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش ایک سنگین دانشورانہ خطا ہے، جبکہ اخلاقی معنی وہ ہیں جو قدر کی بنیاد پر کھڑے ہوں اور انسانی شعور کو سیدھا مخاطب کریں۔

قرآن مجید کے حوالے سے ڈاکٹر لیلیٰ احمد مسلمانوں کے اس ایمان کو زیر بحث لاتی ہیں کہ قرآنی متن مسلسل تسلسل سے بالکل محفوظ رہا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ موجودہ قرآن اس اصل سے الگ ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ کتاب کے لکھنے والے کو اس پر حیرانی ہوتی ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان خاتون ہونے کے ناطے وہ ان معتقدات پر اس قدر شدت سے تنقید کرتی ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک انتہائی مقدس اور قیمتی ہیں۔[1]

مجموعی طور پر لیلیٰ احمد ایک ممتاز مصری نسل کی فیمینسٹ دانشور ہیں جو فیمنزم کو اسلامی ماضی اور ثقافتی سیاق میں مختلف انداز سے جانچتی ہیں۔ وہ اسلام کے ابتدائی اصولوں میں پائے جانے والے انصاف اور برابری کے تصورات کو نمایاں کرتی ہیں، جبکہ استعماری، سیاسی اور فقہی اثرات کی وجہ سے خواتین کی سماجی تنزلی کو تنقیدی جائزہ لیتی ہیں۔ ان کی کتاب Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate نسوانی فکر، اسلامی تاریخ کے گہرے مطالعے اور قرآنی ہدایات کے باہمی تعلق کو انتہائی علمی بصیرت، تقابلی تجزیے اور فکری کشادگی کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ یہ مغربی فیمینسٹ تناظر اور روایتی اسلامی تفاسیر کے درمیان ایک متوازن، تنقیدی اور باہمی مکالمے کی راہ ہموار کرتی ہے، جس میں دونوں جانب کے نقطہ نظر کی کمزوریوں اور طاقتوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت:

لیلیٰ احمد ۱۹۴۰ میں قاہرہ، مصر میں پیدا ہوئیں۔ ان کا بچپن قاہرہ کے مضافات میں ایک سادہ مگر خوشگوار گھرانے میں گزرا، جہاں ان کا گھر ایک وسیع اور سرسبز باغ سے گھرا ہوا تھا جو بچپن کی یادوں میں رنگ بھرتا رہا۔ ابتدائی زندگی میں ان کی والدہ اور نانی نے انہیں گھر ہی میں اسلامی اقدار، روایات اور قرآنی تعلیمات سے متعارف کروایا، جس نے ان کی فکری بنیادوں کو مضبوط کیا اور بعد کی زندگی میں اسلامی تاریخ اور صنفی مسائل پر گہرے مطالعے کی راہ ہموار کی، اور یہی مذہبی پرورش بعد میں ان کی دانشورانہ اور فکری زندگی پر گہرا اثر انداز ہوئی۔ اسی ماحول میں انہوں نے خواتین اور اسلام کے رشتے کو ایک انوکھے زاویے سے دیکھنا اور سمجھنا شروع کیا۔[2]

لیلیٰ احمد کا یہ احساس پایا کہ اسلام صرف رسمی عبادات یا اداروں کا نام نہیں، بلکہ ایک زندہ اور سانس لیتا مذہبی تجربہ بھی ہے جو عام زندگی کے ہر گوشے میں جڑیں جما چکا ہوتا ہے۔ بچپن میں والدہ اور نانی سے حاصل ہونے والا یہی "حیات بخش اسلام" ان کی سوچ کی جڑ بنا اور آگے چل کر ان کے علمی دلائل اور نظریاتی رخ میں بھی بار بار سامنے آتا رہا۔

خاندانی پس منظر :

ان کے والد، جو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ سول انجینئر تھے، اسوان ہائی ڈیم کے منصوبے پر کھل کر تنقید کرتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ یہ منصوبہ سائنسی یا ماحولیاتی ضروریات کی بجائے محض سیاسی مفادات کی پیداوار ہے اور اس سے قدرتی توازن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ قوم پرستانہ جذبے کے اس دور میں ایسی رائے کو وطن سے غداری قرار دیا گیا، نتیجے میں والد کو اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ریاستی دباؤ اور مسلسل پریشانی نے پورے خاندان کو اس قدر متاثر کیا کہ لیلیٰ احمد کا بیرون ملک تعلیم کا خواب بھی دھندلا پڑ گیا۔

اس سیاسی ہنگامے نے انہیں اپنی ذاتی اور ثقافتی شناخت پر نئے سرے سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ان کا خاندان تعلیمی اور ثقافتی طور پر مغربی سوچ کے قریب تھا۔ ایک واقعہ اس اندرونی کشمکش کی عکاسی کرتا ہے جب اسکول میں ایک فلسطینی استاد نے انہیں صرف اس لیے سزا دی کہ تم نے خود کو عرب کی بجائے مصری کہلوانا پسند کیا، جیسا کہ ان کی سوانح عمری A Border Passage میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قاہرہ میں آپ کی تعلیم انگریزی میڈیم کے مغربی طرز کے سکولوں میں ہوئی، جہاں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی تھی اور برطانوی طرز کی تعلیم غالب تھی۔ یہ ماحول لیلیٰ احمد کے اندر شدید ذہنی اور جذباتی تضادات پیدا کر گیا؛ ایک طرف مغربی تعلیم اور اس کی کشش تھی، تو دوسری طرف اپنی مصری شناخت، اسلامی ورثے اور مقامی ثقافت سے گہرا تعلق تھا۔ اس تضاد نے ان کو بار بار "دوسرے پن" کا احساس دلایا، خاص طور پر جب سکول میں ایک فلسطینی استاد نے مصری کہنے پر تھپڑ مارا اور عرب کہلوانے پر زور دیا، جس نے شناخت کے بحران کو مزید گہرا کر دیا۔ یہ تجربات بعد کی فکری زندگی میں اسلامی تاریخ، نسوانیت اور ثقافتی شناخت کے بارے میں تنقیدی سوچ کی بنیاد بنے۔

وہ یورپی طرز کی تعلیم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، مگر ساتھ ہی اپنے برطانوی اساتذہ کی نسلی تعصب اور پرانی سوچ کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ یہی اندرونی الجھن 1960 کی دہائی میں کیمبرج یونیورسٹی کے دنوں میں بھی جاری رہی، جہاں وہ خود کو ہمیشہ ایک "دوسرے" یا کمتر درجے میں محسوس کرتی رہیں۔ ساتھی طلبہ کی طرف سے عرب تہذیب کے بارے میں سطحی اور سادہ لوحانہ رائے پر انہیں شدید مایوسی ہوتی تھی۔ اسی عرصے میں، یعنی کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران، اپنے کچھ امریکی اور

یورپی ہم جماعتوں کے سوشلسٹ اور قوم پرستانہ (خاص طور پر عرب نیشنلزم) نظریات پر بھی تنقیدی سوالات اٹھائے۔ یہ نظریات مصر کے حقیقی سماجی، ثقافتی اور تاریخی حالات میں ناکافی اور غیر عملی نظر آئے، کیونکہ وہ مصری معاشرے کی پیچیدگیوں، تنوع اور مقامی حقیقتوں کو نظرانداز کرتے تھے۔ یہ دور فکری نشوونما کا انتہائی اہم مرحلہ ثابت ہوا؛ اس نے انتہا پسندی سے دور رکھا، اعتدال پسندی کو اپنانے، تنقیدی بصیرت کو گہرا کرنے اور مختلف نظریات کے درمیان متوازن موقف اختیار کرنے کی طرف راغب کیا۔ یہی تجربات بعد میں اسلامی تاریخ، صنفی مسائل اور ثقافتی شناخت کے بارے میں ایک جامع اور غیر جانبدار تناظر دینے میں مددگار ثابت ہوئے، جہاں انہوں نے نہ تو مغربی بالادستی کو قبول کیا اور نہ ہی کسی قسم کی سخت گیر قوم پرستی یا سوشلزم کو۔[3] ۱۹۵۲ کے مصری انقلاب، جس نے فری آفیسرز کی تحریک کے ذریعے جمال عبدالناصر کو اقتدار میں لایا، نے خاندان کی سماجی اور تعلیمی زندگی پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا۔ اس انقلاب کے ساتھ اٹھنے والی عرب قوم پرستی کی لہر نے مصر کی کثیر الثقافتی اور روادار شناخت کو چیلنج کیا، جس سے خاندان جیسے کئی متوسط اور اعلیٰ طبقے کے خاندان سیاسی طور پر الگ تھلگ ہو گئے۔

اس سیاسی اور فکری ماحول نے لیلیٰ احمد کو اپنی ذاتی اور ثقافتی شناخت پر نئے سرے سے غور کرنے پر مجبور کر دیا، اور ساتھ ہی انہیں مغربی تعلیم کے نظام، نسلی امتیازات، اور عرب و یورپی نظریات کے درمیان ایک مستقل ذہنی الجھن کا سامنا رہا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے آہستہ آہستہ ایک ایسا اعتدال پسند اور تنقیدی نقطہ نظر اپنایا جو کسی ایک طرف جھکاؤ رکھنے کے بجائے آزاد اور متوازن تھا، اور یہی معتدل سوچ بعد میں ان کی دانشورانہ شخصیت اور خواتین کے مسائل سے جڑی تحقیق میں واضح طور پر نظر آتی رہی۔

تعلیمی سرگرمیاں:

تم نے کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں، جہاں تم نے ۱۹۶۰ کی دہائی میں تعلیم مکمل کی اور برطانوی فکری روایات اور مشرق وسطیٰ کے بارے میں ان کی تصورات پر تحقیق کی۔ اس کے بعد امریکہ منتقل ہوئیں، جہاں ۱۹۸۱ میں یونیورسٹی آف میساچوسٹس، ایمہرسٹ میں تم نزدیک مشرقی مطالعات اور ویمنز سٹڈیز کی پروفیسر مقرر ہوئیں، اور وہاں تم نے ویمنز سٹڈیز اور نزدیک مشرقی مطالعات کے پروگراموں کی ڈائریکٹرشپ بھی سنبھالی۔

پھر ۱۹۹۹ میں ہارورڈ ڈیوینیٹی اسکول نے تمہیں مذہب میں ویمنز سٹڈیز کی پہلی پروفیسر کے طور پر تقرر دیا—یہ ایک تاریخی اور پیشرو اقدام تھا۔ ۲۰۰۳ میں تمہیں ویکٹر ایس تھامس پروفیسر آف ڈیوینیٹی کا اعزازی عہدہ عطا کیا گیا، اور ۲۰۲۰ میں تم ویکٹر ایس تھامس ریسرچ پروفیسر آف ڈیوینیٹی بن گئیں۔ آج بھی تم ہارورڈ ڈیوینیٹی اسکول میں تدریس اور تحقیق سے وابستہ ہو، جہاں تم اسلامی مطالعے، صنفی مسائل اور مذہبی تناظر میں خواتین کی تاریخ پر گہرا کام جاری رکھے ہوئے ہو۔ یہ سفر تمہاری علمی زندگی کا ایک تسلسل ہے جو مصری جڑوں سے شروع ہو کر عالمی سطح پر صنفی اور مذہبی بصیرت تک پہنچا۔

ان کی سوچ اور ثقافتی ماضی کی وجہ سے ان کی زیادہ تر تحریریں اسلام اور خواتین کے مسائل پر مرکوز رہی ہیں۔ ان کی کتابوں میں صنف، مذہب اور معاشرتی ڈھانچوں کے ربط کو گہرے جائزے کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:

A Border Passage: From Cairo to America – A Woman's Journey فارر، سٹراس اینڈ گیرو، 1999

Women and Gender in the Islamic Middle East فیر فیلڈ یونیورسٹی میڈیا سینٹر، 1993

Women and Islam: Films for the Humanities and Sciences (1993) – یہ ایک دستاویزی فلم ہے جس میں اسلامی دنیا میں خواتین کی تاریخی اور معاصر حیثیت کو بصری انداز میں پیش کیا، جو تعلیمی اور تحقیقی مقاصد کے لیے تیار کی گئی۔

Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate (ییل یونیورسٹی پریس، 1992) –سب سے مشہور اور بااثر کتاب، جس نے اسلامی تاریخ میں صنف اور جنس کے تصورات کی جڑوں کو کھوجا اور جدید بحثوں کے تاریخی پس منظر کو نئی روشنی دی۔

"Feminism and Cross-Cultural Inquiry: The Terms of Discourse in Islam" – یہ مضمون کتاب *Coming to Terms: Feminism, Theory, and Politics* (روٹلیج، 1989) میں شائع ہوا، جہاں اسلامی سیاق میں نسوانی فکر اور بین الثقافتی تحقیق کے مفہوم اور اصطلاحات پر گہری بحث کی۔

اس کے علاوہ دیگر نمایاں تحریریں یہ ہیں:

"Arab Women: 1995" – یہ باب کتاب *The Next Arab Decade: Alternative Futures* (ویسٹ ویو پریس، 1988) میں شامل ہے، جس میں عرب خواتین کی مستقبل کی ممکنہ راہیں اور چیلنجز کا جائزہ لیا۔

"Between Two Worlds: The Formation of a Turn-of-the-Century Egyptian Feminist" – یہ مضمون کتاب *Life Lines: Theorizing Women's Autobiography* (کورنل یونیورسٹی پریس، 1988) میں شائع ہوا، جہاں بیسویں صدی کے آغاز میں مصری نسوانی تحریک کی تشکیل اور خود نوشت کی روشنی میں ایک مصری فیمنسٹ کی شخصیت کا تجزیہ کیا۔

"A Traditional Ceremony in an Islamic Milieu in Malaysia" – یہ باب کتاب *Muslim Women* (سینٹ مارٹن پریس، 1984) میں شامل ہے، جس میں ملائیشیا کے اسلامی ماحول میں ایک روایتی تقریب کی سماجی اور مذہبی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

Edward W. Lane: A Study of His Life and Works and of British Ideas of the Middle East in the Nineteenth Century (لانگ مین، 1978) – تمہاری ابتدائی کتاب، جو برطانوی مستشرق ایڈورڈ ولیم لین کی زندگی، تصانیف اور انیسویں صدی میں برطانیہ کے مشرق وسطیٰ کے بارے میں خیالات پر ایک تنقیدی مطالعہ ہے۔

لیلیٰ احمد ایک مصری نسل کی دانشور ہیں جنہوں نے اسلام اور خواتین کے موضوع پر وسیع تحقیق کی۔ان کی کتابیں صنفی برابری، مذہب اور ثقافت کے باہمی روابط کو واضح کرتی ہیں۔

خواتین اور جنسیت : پچھلی چند دہائیوں میں اسلام میں خواتین اور جنس کے مسائل کئی محققین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں ۔یہ کتاب پرانی اور جامد تصورات کو چیلنج کرتی ہے اور یہ سمجھاتی ہے کہ مسلم سماجوں میں مذہب اور ثقافت خواتین سے جڑے خیالات کیسے بناتے ہیں۔

لیلیٰ احمد کے ذاتی تجربات، جو مختلف معاشرتی اور ثقافتی دائروں سے جڑے رہے، ان کی سوچ اور تحقیق کو گہرائی دیتے

ہیں۔ انہوں نے ایک طرف والدہ کے ذریعے ایک ذاتی اور زندہ اسلام دیکھا، اور دوسری طرف رسمی، روایتی اور بعض اوقات ریاستی سطح پر مسلط کردہ مذہبی تفہیم کا سامنا کیا۔ مصر میں مغربی اثرات نے انہیں اچھی تعلیم کے مواقع دیے، مگر انگلینڈ میں پڑھائی کے دوران اساتذہ اور ساتھیوں کی نسلی تعصب اور پرانی سوچ سے بھی سابقہ پڑا۔

یہ متنوع اور متضاد تجربات ان کی تحریروں کو وسعت اور حساسیت عطا کرتے ہیں اور انہیں اپنی کتابوں میں محتاط، اعتدال پسند اور باریک بین تجزیہ پیش کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ لیلیٰ احمد کسی ایک رائے کو بالکل درست یا غلط قرار دینے کی بجائے ایک پیچیدہ اور کثیر جہتی صورت حال کو سامنے لاتی ہیں، جہاں ہر سوال کے کئی ممکنہ زاویے اور حل نظر آتے۔[4]

کتاب Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate مسلم معاشروں میں خواتین کی حیثیت کو مذہب اور ثقافت کے پیچیدہ، کثیر الجہتی تاریخی اور سماجی تناظر میں دیکھنے کی ایک گہری اور بصیرت افروز کوشش ہے۔ یہ نہ تو اسلام کو یک طرفہ طور پر موردِ الزام ٹھہراتی ہے اور نہ ہی اسے مکمل طور پر مثالی قرار دیتی ہے؛ بلکہ یہ دکھاتی ہے کہ صنفی ڈھانچے کس طرح قدیم مشرق وسطیٰ کی تہذیبوں سے لے کر اسلامی ابتدائی دور، عباسی خلافت، اور جدید دور تک مسلسل تبدیل ہوتے رہے، جہاں ثقافتی روایات، سیاسی اقتدار، اور معاشی حالات نے اسلامی تعلیمات کی تشریح اور عمل کو متاثر کیا۔ اور اعتدال بخشا، جہاں وہ پرانی سوچوں کو چیلنج کرتی ہیں اور خواتین کے مسائل کے کئی ممکنہ زاویے سامنے لاتی ہیں۔ لیلیٰ احمد کی فکر کسی ایک رائے کو حتمی درست یا غلط قرار دینے سے بچتی ہے اور مسائل کی گہرائی اور کثیر جہتی پن کو واضح کرتی ہے۔

لیلیٰ احمد کی کتاب Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate کا خواتین اور جنس کے موضوع پر جائزہ:

کتاب Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate، جو ۱۹۹۲ میں ییل یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی، موجودہ دور کے صنفی مباحثوں — خاص طور پر مسلم معاشروں میں عورت کی حیثیت سے متعلق — کی تاریخی جڑوں کو تلاش کرتی ہے اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ عورت کی سماجی، قانونی اور ثقافتی پوزیشن وقت کے ساتھ کس طرح تبدیل ہوتی رہی۔ تم اسے ایک مسلسل اور پیچیدہ عمل کے طور پر پیش کرتی ہو، جہاں اسلام کی آمد نے نہ تو مکمل طور پر نئی صنفی برابری قائم کی اور نہ ہی پرانی روایات کو مکمل طور پر ختم کیا؛ بلکہ یہ ایک نئی اخلاقی اور روحانی بصیرت کے ساتھ پرانی ساختوں میں تبدیلی اور تسلسل دونوں لائے۔ کتاب بنیادی طور پر تین بڑے حصوں میں منقسم ہے، جو تاریخی تسلسل اور فکری ارتقا کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ دوسرا حصہ اسلام کے آغاز اور قرونِ وسطیٰ کے دور میں خواتین کی صورت حال پر مرکوز ہے۔ تیسرا حصہ عصرِ حاضر کے تنازعات اور نسوانی تحریکوں کا احاطہ کرتا ہے۔

احمد اپنی بحث کا آغاز خواتین کی معاشرتی تنزلی کے تاریخی پس منظر سے کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ شہری زندگی کے پھیلاؤ کے ساتھ عورت کی حیثیت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی۔ عام فہم کے برعکس، وہ یہ موقف رکھتی ہیں کہ مشرق وسطیٰ کی کئی قدیم ثقافتوں میں خواتین کو خاصا احترام ملا تھا۔ اس کی مثال وہ ترکی کے چاتال ہویوک کے آثارِ قدیمہ سے دیتی ہیں، جہاں خواتین کی بڑی قبریں اور دیواروں پر ان کی معزز تصاویر سماجی وقار کی نشانی سمجھی جاتی ہیں۔

البتہ، میسوپوٹیمیا میں شہری ریاستوں کے ابھرنے، خانہ بدوش قبائل کی آمد اور مسلسل جنگوں نے مردوں کو فوجی طاقت

کی وجہ سے مرکزی مقام دے دیا۔ اس تبدیلی سے ایک مردانہ بالادستی اور جاگیردارانہ نظام پروان چڑھا، جہاں مرد دولت کے مالک اور خواتین کی جنسی زندگی کے نگراں بن گئے۔ عورت کی جنسی شناخت پہلے باپ کی اور پھر شوہر کی ملکیت سمجھی جانے لگی، جس سے مختلف سماجی پابندیاں اور رسوم وجود میں آئیں۔ شہری مسائل بڑھنے کے ساتھ خواتین کی عوامی شرکت کا دائرہ مزید تنگ ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد میں بھی اسی طرح کی تبدیلیاں دیکھی گئیں، جہاں مرد دیوتاؤں کی اہمیت بڑھی اور نسوانی دیویوں کا درجہ کم ہوتا چلا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مختلف سلطنتوں نے میسوپوٹیمیا پر قبضہ کیا اور ان کے قوانین نے خواتین کے لیے مزید سخت شکل اختیار کر لی۔ ان قوانین میں طاقت شوہر اور باپ کے ہاتھوں میں مرکوز ہو گئی۔ بیویوں اور بیٹیوں سے مکمل فرمانبرداری کی امید رکھی جاتی تھی، جبکہ خاندان کے سربراہ کو شادی کے فیصلے کرنے، بیٹی کو مذہبی نذرانہ بنانے، یا مالی مسائل میں بیوی یا بیٹی کو گروی رکھنے یا بیچنے تک کا اختیار حاصل تھا۔"[5]

لیلیٰ احمد کی کتاب Women and Gender in Islam قدیم مشرق وسطیٰ سے اسلامی دور تک خواتین کی معاشرتی حیثیت میں ہونے والی تبدیلیوں کا تفصیلی جائزہ لیتی ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ ابتدائی ثقافتوں میں عورت کو خاصا معزز درجہ حاصل تھا، مگر شہری ریاستوں کے ابھرنے اور مردوں کی فوجی غلبے کی وجہ سے خواتین کی آزادی اور حیثیت آہستہ آہستہ تنگ ہوتی چلی گئی اور ان پر نگرانی بڑھتی گئی۔

لیلیٰ احمد عصر حاضر کے نسوانی نظریات کی روشنی میں اس تاریخی پس منظر پر تنقیدی نظر ڈالتی ہیں اور جنس اور اقتدار کے پیچیدہ ربط کو واضح کرتی ہیں۔ وہ اس معاشرتی نظام کی نشاندہی کرتی ہیں میسوپوٹیمیا کے قوانین میں آنے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے لیلیٰ احمد دکھاتی ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ مردوں کی بالادستی مزید پختہ ہوتی گئی اور خواتین کو گھریلو حدود تک محدود کر کے انہیں قانونی اور مالی لین دین کی چیز کے طور پر دیکھا جانے لگا۔

لیلیٰ احمد کے نزدیک حجاب کا تصور:

لیلیٰ احمد اپنی تحریر میں حجاب یا نقاب کے استعمال کو ایک کلیدی موضوع بناتی ہیں۔ ان کی رائے میں اس وقت حجاب حیثیت اور مرتبے کی علامت تھا اور اس کے خاص معاشرتی معنی تھے۔ یہ عموماً طاقتور مردوں کی بیویوں، بیٹیوں، شاہی خاندان کی محبوب عورتوں اور تمہاری کتاب کے اس حصے میں، جو اسلام سے پہلے کے عرب معاشرے (خاص طور پر جزیرہ نما عرب اور مکہ کے دور) پر مبنی ہے، حجاب یا پردے کی مشق کو ایک طبقاتی اور سماجی نشان کے طور پر پیش کرتی ہو۔ تمہارے تجزیے کے مطابق، حجاب کا حکم یا رواج آزاد اور شادی شدہ خواتین کے لیے مخصوص تھا—یعنی معزز اور اعلیٰ درجے کی خواتین جو اپنے خاندان یا شوہر کی "حفاظت" میں تھیں۔ اس کے برعکس، بدکار خواتین (prostitutes) یا غلام لونڈیاں حجاب پہننے کی اجازت نہیں رکھتی تھیں؛ اگر کوئی ایسی کوشش کرتی تو اسے سخت سزائیں دی جاتیں، جیسے کوڑے مارنا یا دیگر جسمانی عقوبات۔

ایک علامتی تقسیم کے طور پر دیکھتی ہو: حجاب عورت کی جنسی حیثیت اور سماجی درجے کی بنیاد پر "معزز" اور "غیر معزز" میں تفریق کرتا تھا۔ مردوں کے لیے یہ ایک واضح بصری اشارہ تھا کہ کون سی عورتیں "محفوظ" اور "دستیاب نہیں" ہیں (یعنی شادی شدہ یا خاندان کی ملکیت میں)، اور کون سی دستیاب یا کم درجے کی سمجھی جاتی تھیں۔ یہ نظام مردانہ غلبے کو مضبوط کرتا تھا، جہاں آزاد خواتین کو کچھ حقوق تو ملتے تھے—جیسے جائیداد رکھنا، معاہدے کرنا، یا گواہی دینا—مگر یہ حقوق ہمیشہ ان کے مرد

رشتہ داروں (باپ، شوہر، بھائی) سے منسلک اور ان کی اجازت پر منحصر ہوتے تھے۔ نتیجتاً، عورت کو یا تو مکمل انسان کی بجائے "ملکیت" کی طرح دیکھا جاتا تھا، یا پھر اس کی آزادی اور وقار کو محدود کر کے صنفی درجہ بندی قائم رکھی جاتی تھی۔

رومیوں کے مصر پر قبضے کے بعد یورپی (یعنی رومی اور بازنطینی) قوانین نے مصری خواتین کے حقوق اور سماجی مقام کو مزید تنزلی کی طرف دھکیل دیا، جہاں پہلے سے موجود صنفی عدم مساوات کو مزید سخت اور منظم شکل دی گئی۔ پھر عربوں کی آمد اور اسلام کے ظہور کے ساتھ علاقائی سطح پر خواتین کی حیثیت میں اہم تبدیلیاں آئیں۔ خاص طور پر چھٹی صدی عیسوی کے جزیرہ عرب، بالخصوص مکہ کے معاشرے کو اجاگر کرتی ہو، جہاں شادی کا نظام بڑی حد تک **مادری نسب** (matrilineal) پر مبنی تھا۔ اس دور میں شوہر عورت کے گھر یا قبیلے میں رہائش اختیار کرتا تھا، عورتیں اپنے قبیلے میں رہتی تھیں، اور مرد ان کے پاس آتے یا ان کے ساتھ قیام کرتے۔ پیدا ہونے والے بچوں کا تعلق ماں کے قبیلے سے ہوتا تھا، جس کی وجہ سے عورتوں کو خاندانی اور قبائلی ڈھانچے میں نسبتاً زیادہ خود مختاری اور اثر و رسوخ حاصل تھا۔

اس نظام میں مرد کا کثیر الازواجی ہونا (polygyny) اور عورت کا کثیر الازواجی ہونا (polyandry) دونوں عام تھے، جو معاشرتی طور پر قبول شدہ تھے۔ نتیجے کے طور پر، اس دور کی خواتین معاشرتی، تجارتی اور قبائلی زندگی میں فعال اور بااثر کردار ادا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کی سب سے واضح اور مشہور مثال ہیں—جو حضور نبی کریم ﷺ سے شادی سے پہلے ایک کامیاب تاجر خاتون تھیں، اپنا کاروبار خود چلاتی تھیں، معاشرے میں بلند مقام رکھتی تھیں، اور اپنی مالی آزادی اور سماجی اثر و رسوخ کی وجہ سے "طاہرہ" اور "خدیجہ کبریٰ" جیسی عزت یافتہ القاب سے نوازی گئیں۔ تم اسے پیش کرتی ہو کہ اسلام کی آمد نے اس مادری نسب پر مبنی نسبتاً زیادہ مساوات والے نظام کو ایک نئی سمت دی، مگر ساتھ ہی کچھ پہلوؤں میں اسے محدود بھی کیا، جبکہ دوسری طرف پڑوسی تہذیبوں کے سخت گیر صنفی ڈھانچوں سے تحفظ بھی فراہم کیا۔[6]

اس دور میں حجاب کو طاقت اور سماجی حیثیت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ یہ زیادہ تر امیر اور اعلیٰ طبقات کی خواتین تک محدود تھا، جبکہ غلام اور کمزور طبقے کی خواتین کو اس سے روکا جاتا تھا۔ یہ ترتیب جنس، اختیار اور طبقاتی تقسیم کے پیچیدہ روابط کو ظاہر کرتی ہے۔ لیلیٰ احمد کی رائے میں حجاب خواتین کو ان کے سماجی مقام اور جنسی حیثیت کی بنیاد پر معزز یا کم تر قرار دینے کا ایک آلہ تھا۔ خاص طور پر عرب جزیرہ نما میں ماں کی طرف سے نسب اور متنوع شادی کے نظاموں کی وجہ سے خواتین کا سماجی اور معاشی اثر و رسوخ بڑھا، جس کی واضح مثال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہے جو ایک کامیاب تاجرہ تھیں۔

دوران جنگ صنف نازک کا لائحہ عمل، پردہ، تنہائی اور پدرانہ تعلق کے مقاصد:

لیلیٰ احمد اپنی کتاب میں میدان جنگ میں خواتین کی شرکت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ ان کی موجودگی فوجیوں کے جذبے بلند کرنے اور انہیں متحرک رکھنے میں کلیدی تھی۔ مثال کے طور پر، جنگ احد میں ہند بنت عتبہ کی سرگرمیاں قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کو مسخ کر کے اس کے اعضاء کو زینت کے طور پر استعمال کیا اور طنزیہ اشعار پڑھ کر اپنے فریق کے جنگجوؤں کا حوصلہ بڑھایا۔ یہ واقعات قرآن مجید کی سورۃ النحل کی آیت 58-59 کی تشریح سے ہم آہنگ ہیں، جو لڑکیوں کی پیدائش پر ناامیدی اور ان کے قتل کی مذمت کرتی ہے اور اسلام کی طرف سے اس روایت پر پابندی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ سب عناصر خواتین کی حیثیت، جنگ اور سماجی ساخت کے گہرے تعلقات کو اجاگر کرتے ہیں۔:

" وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ"[7]

یہ وہ شخص ہے جو اس بری خبر (بیٹی کی پیدائش) کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اسے ملنے والی رسوائی سے شرمندگی ہوتی ہے۔ کیا وہ اسے زندہ رکھے ذلت کے ساتھ یا اسے مٹی میں دفن کر دے؟ دیکھو تو سہی، یہ لوگ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں!

جیسا کہ سورہ نحل میں ہے:

" يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ ۚ أَيُمْسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ فِى التُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ"[8]

وہ اس بری خبر سے جو اسے سنائی جاتی ہے، لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے اور غم وغصے میں ڈوب کر سوچتا رہتا ہے کہ کیا اس رسوائی کو سہہ کر بچی کو جینے دے یا اسے مٹی تلے دبا دے۔ دیکھو تو، یہ لوگ جو فیصلہ کرتے ہیں، کتنا گھٹیا اور ظالمانہ ہے۔

بعض آیاتِ قرآنی سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اسلام کی آمد سے خواتین کو زیادہ حقوق اور معاشرتی حیثیت حاصل ہوئی۔ البتہ، لیلیٰ احمد جیسی محققین اس طرح کی سیدھی اور یک رُخی تشریحات کو ناکافی سمجھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اکثر روایتی بیانیے خواتین کی جنسی آزادی کو اسلام کی مقرر کردہ حدود سے الگ ایک ذاتی لذت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں، لیلیٰ احمد کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام میں متعارف کرائی گئیں محدودیتاں درحقیقت خواتین کو تحفظ اور وقار دینے کے لیے تھیں۔ جاہلیت کے دور میں عرب معاشرے میں خواتین کی آزادی کافی حد تک موجود تھی، جیسا کہ ہند بنت عتبہ کی سرگرمیوں اور جنگوں میں شرکت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تناظر میں اسلام نے پردے اور مرد و زن کی علیحدگی کے اصول متعارف کروائے، جو شروع میں صرف نبی محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے مخصوص تھے۔ بعد میں یہ اصول پدرانہ نظام اور رشتہ داری پر مبنی شادیوں کو مستحکم کرنے کا حصہ بن گئے۔

لیلیٰ احمد کے مطابق، نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں اور بیرونی افراد کے درمیان واضح حدود قائم کیں، جس سے مردوں اور عورتوں کی علیحدگی ایک منظم شکل اختیار کر گئی۔ اس دور میں خلوت کا تصور بنیادی طور پر پدرانہ تھا اور اکثر حکمران طبقے کی خواتین تک محدود رہتا تھا۔ نبی ﷺ نے اسے حرم جیسے غیر رسمی انتظامات کے ذریعے اپنایا۔

احمد یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ یہ روایات ممکنہ طور پر مکہ کے آس پاس کی پدرانہ تہذیبوں، جیسے ایران اور بازنطینی سلطنت، سے متاثر تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان علاقوں کے بعض رسم و رواج کو شامل کیا ہو۔ حجاب کا تصور مکمل طور پر عرب معاشرے کا اپنا نہیں تھا، بلکہ اس کی جڑیں قدیم میسوپوٹیمیا، یونانی، یہودی اور دیگر تہذیبوں میں بھی ملتی ہیں، جہاں یہ اعلیٰ طبقے کی علامت تھا۔[9]

لیلیٰ احمد اپنے مطالعے میں جاہلی دور کی عرب خواتین کی جنگوں میں سرگرم شرکت کو نمایاں کرتی ہیں، مثلاً جنگِ احد میں ہند بنت عتبہ کی قیادت اور کردار کے ذریعے، تاکہ اسلام سے پہلے کے عرب معاشرے میں عورتوں کی طاقت اور اثر ورسوخ کو سامنے لایا جا سکے۔ وہ قرآن کی آیات (سورۃ النحل: 58-59) کا حوالہ دے کر یہ بات واضح کرتی ہیں کہ اسلام نے بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے جیسے وحشیانہ رواج کی سخت مذمت کی اور خواتین کو عزت واحترام کا مقام دیا۔

البتہ، لیلیٰ احمد جدید دور کی بعض تفسیروں پر اعتراض کرتی ہیں جو اسلامی احکام کو صرف خواتین کی جنسیت پر قابو پانے کا

ذریعہ سمجھتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ قواعد بنیادی طور پر عورتوں کی معاشرتی حفاظت اور بلند حیثیت کے لیے بنائے گئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ حجاب، مرد وزن کی علیحدگی، اور پدرانہ شادی کے اصول جیسی پابندیاں عورتوں کو کمزور یا ذلیل کرنے کے لیے نہیں بلکہ انہیں سماجی وقار اور تحفظ دینے کے لیے تھیں۔

احمد کا موقف ہے کہ یہ اصول محمد ﷺ نے اہل عرب کے سماجی رواج سے نہیں بلکہ ایران اور بازنطینی سلطنتوں کی پدرانہ ثقافتوں سے متاثر ہو کر اختیار کیے۔ شروع میں یہ ضابطے صرف آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر ہوتے تھے۔ وہ ان نظریات کی مخالفت کرتی ہیں جو اسلامی قوانین کو محض جنسی ضابطے سمجھتے ہیں، اور زور دیتی ہیں کہ ان کا اصل ہدف معاشرتی استحکام پیدا کرنا۔

عورتوں کے معاشرتی مقام میں لیلیٰ احمد کا آپ ﷺ کی تعلیم کی رو سے نشاندہی:

لیلیٰ احمد نبوی تعلیمات سے خواتین کے سماجی مقام کے بارے میں جو نتیجہ اخذ کرتی ہیں، اس میں قدیم تہذیبوں کا کردار بھی شامل ہے: یونانی، رومی، یہودی اور آشوری معاشروں میں پردہ یا نقاب پوشی اعلیٰ طبقے کی خواتین کی شناخت اور معاشرتی حیثیت کی علامت تھی۔ قرآن مجید کی سورۃ النور کی متعلقہ آیات بھی اسی تناظر میں سامنے آئیں، جو خواتین کو تحفظ اور وقار دینے کا پیغام دیتی ہیں۔[10]:

" وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"11

مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں جھکا کر رکھیں، اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس حصے کے جو قدرتی طور پر نظر آجاتا ہے۔ وہ اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں تاکہ گریبان ڈھکا رہے۔ اور وہ اپنی خوبصورتی کو سامنے نہ لائیں مگر ان مردوں کے روبرو جو ان کے محرم ہیں: یعنی اپنے شوہر، والد، سسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، یا دیگر مومن عورتیں، یا وہ غلام جو ان کی ملکیت میں ہوں، یا وہ نوکر مرد جو خواہشِ نفس سے خالی ہوں، یا وہ چھوٹے بچے جو ابھی عورتوں کے پردے اور پوشیدہ امور سے ناواقف ہیں۔ اور وہ زور سے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت کا پتا چل جائے۔ اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

اور اسی طرح سورۃ النور میں ہے:

" وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ"12

تمہارے درمیان جو مجرد مرد اور عورتیں ہیں، ان کے شادی کے بندوبست کرو، اور اپنے نیک کردار والے غلاموں اور کنیزوں کی شادیاں بھی کروادو۔ اگر وہ تنگدست ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انہیں بے نیاز کردے گا، کیونکہ اللہ بڑی کشادگی والا اور ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

لیلیٰ احمد کے مطابق، تاریخی مآخذ میں نبی محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کی طرف سے حجاب اور خلوت کے احکام نازل ہونے پر کوئی کھلا ردِ عمل یا اعتراض ثبت نہیں ملتا۔ وہ اس خاموشی کو محض رضامندی سمجھنے کے بجائے ایک ممکنہ پوشیدہ ناراضی کی علامت قرار دیتی ہیں، جو خواتین نے خوف یا ممکنہ خطرات کی وجہ سے ظاہر نہیں کی۔

اس خوف کی وجہ قرآن میں بیان کردہ وہ انتباہ ہو سکتا ہے جس میں نبی ﷺ نے ازواج کو انتخاب دیا کہ اگر وہ دنیاوی زندگی اور زینت چاہتی ہیں تو اچھے طریقے سے طلاق لے لیں، ورنہ اللہ اور رسول کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے آخرت کی بڑی جزا حاصل کریں۔

اس طرح ازواج مطہرات ایک مشکل انتخاب کے سامنے تھیں: یا تو دنیاوی آزادی کے ساتھ رشتہ ختم کر لیں، یا نبی ﷺ کی بیویوں کے لیے مخصوص سخت ضوابط کو قبول کرتے ہوئے آخرت کے وعدے پر صبر کریں۔ لیلیٰ احمد اپنی کتاب میں اس صورتحال کو نمایاں کرتی ہیں اور اسے خواتین کی سماجی پوزیشن پر اسلامی احکام کے گہرے اثرات کی مثال کے طور پر پیش کرتی ہیں۔[13]

لیلیٰ احمد ایک طرف نبی محمد ﷺ کے خواتین کے ساتھ انتہائی محترمانہ اور عزت افزا سلوک کو بھی خاص طور پر سامنے لاتی ہیں اور آپ ﷺ کو انسانی تاریخ کے سب سے شائستہ اور باوقار کرداروں میں سے ایک قرار دیتی ہیں۔ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی حوالہ دیتی ہیں جس میں انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ قریش کے مرد تو اپنی بیویوں پر مکمل اختیار رکھتے تھے، لیکن مدینہ آکر انصار کی عورتوں کو مردوں پر غالب دیکھا، اور اس اثر سے ہماری خواتین بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرنے لگی ہیں۔ اس واقعے سے لیلیٰ احمد یہ بات اجاگر کرتی ہیں کہ نبوی دور میں خواتین کی سماجی حیثیت اور خودمختاری کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا گیا۔

احمد متعدد تاریخی مثالوں سے یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ ابتدائی مسلم خواتین جنگوں میں فعال کردار ادا کرتی رہیں، احادیث کی سند بنتی رہیں، اور شادی جیسے ذاتی معاملات میں اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں۔ ان کے نزدیک ان سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں خواتین کو ایک معقول حد تک سماجی عزت، وقار اور اثر و رسوخ حاصل رہا، جو جاہلی دور کی کھلی آزادی سے مختلف مگر مکمل پابندی سے بھی الگ تھا۔[14]

عباسی دور میں خواتین کی معاشرتی حیثیت اور کردار کافی حد تک محدود ہو گیا اور وہ عمومی سماجی سرگرمیوں میں برابر کی شریک یا فعال رکن کے طور پر نظر نہیں آتی تھیں۔ عباسی اشرافیہ نے ساسانی سلطنت کی پدرانہ روایات کو بڑے پیمانے پر اپنایا، جس میں بڑے پیمانے پر حرم کا قیام، کنیزوں کی تعداد میں اضافہ، اور ان کی حفاظت کے لیے خواجہ سراؤں کا استعمال شامل تھا۔

اس دور میں عورت کی عفت اور دوشیزگی کو غیر معمولی اہمیت دی گئی، جبکہ بار بار شادی کرنے کے رجحان کو بھی فروغ ملا—یہ دونوں باتیں زرتشتی ایرانی ثقافت سے واضح طور پر متاثر تھیں۔ نتیجتاً، خواتین کی سماجی آزادی اور اثر و رسوخ ابتدائی اسلامی دور کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم ہو گیا، اور وہ زیادہ تر گھریلو اور پردہ نشین زندگی تک محدود ہو کر رہ گئیں۔[15]

لیلیٰ احمد اپنے مطالعے میں پردے کی تاریخی جڑوں کو کھوجتے ہوئے یہ بات واضح کرتی ہیں کہ یہ عمل صرف اسلام تک منحصر نہیں تھا، بلکہ قدیم یونانی، رومی، یہودی اور آشوری تہذیبوں میں بھی اعلیٰ طبقاتی خواتین کی شناخت اور سماجی امتیاز کی نشانی کے طور پر رائج تھا۔ ساتھ ہی، احمد نبی ﷺ کے خواتین کے ساتھ نہایت محترمانہ اور شفقت بھرا رویہ اجاگر کرتی ہیں، خاص

طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کے گہرے تعلقات کو مثال بناتے ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کے ذریعے وہ یہ دکھاتی ہیں کہ مدینہ میں انصاری خواتین کی نسبتاً زیادہ خودمختاری نے قریشی عورتوں کو بھی اپنی حیثیت کا احساس دلایا اور ان میں آزادی کا رجحان پیدا کیا۔

احمد عباسی دور کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتاتی ہیں کہ اس زمانے میں خواتین کی سماجی شرکت نمایاں طور پر سکڑ گئی۔ اشرافیہ نے ساسانی ایرانی روایات کو بھرپور انداز میں اپنایا، جیسے بڑے حرموں کا قیام، کنیزوں کی حفاظت کے لیے خواجہ سراؤں کا نظام، اور زرتشتی اثرات جیسے عفت و دوشیزگی کی شدید تاکید اور بار بار شادی کو فروغ دینا۔ نتیجے کے طور پر خواتین کی آزادی اور معاشرتی اثر ورسوخ ابتدائی اسلامی دور کے مقابلے میں کافی کمزور ہو گیا۔

جنس اور تشریحات کے بارے میں لیلیٰ احمد کا نقطۂ نظر:

لیلیٰ احمد کی تحریروں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی تاریخ کے ایک خاص مرحلے میں اخلاقی احکام کی تعبیریں مرد مرکزیت (androcentrism) سے بھرپور ہوئیں، بالخصوص مرد و عورت کے جنسی اور ازدواجی تعلقات کے معاملات میں۔ اس سلسلے میں خوارج جیسے گروہوں نے بعض قرآنی آیات—مثلاً لونڈیوں سے تعلقات اور کم عمر لڑکیوں سے نکاح—کی ایسی تشریحیں پیش کیں جو بعد میں مرکزی روایتی علما نے جائز اور مستند قرار دے دیں۔ احمد زور دیتی ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ "تشریح" کا عمل خود ایک طاقتور عنصر بن گیا جو ان احکام کے معنی بدلتا رہا۔

ان کے مطابق اسلامی روایت میں جنس اور صنف کے حوالے سے دو متوازی دھارے موجود رہے۔ ایک دھارا عملی سماجی قوانین پر مبنی تھا جو صنفی کرداروں کو سخت حدود میں ڈھالتا تھا؛ اسے ریاستی سرپرستی اور حکمرانوں کی حمایت حاصل رہی، اس لیے یہ غالب اور مستقل تعبیر بن گئی۔ دوسرا دھارا اخلاقی اور روحانی مساوات کا حامی تھا جو مرد و عورت کی بنیادی انسانی برابری پر زور دیتا تھا، مگر چونکہ اسے کوئی سیاسی یا ادارہ جاتی پشت پناہی نہ ملی، اس لیے یہ تاریخی دستاویزات اور اثر ورسوخ سے محروم رہا۔ اس دوسرے دھارے میں صوفیوں، خوارج اور قرامطہ کی تعبیریں شامل تھیں جو زیادہ مساواتی نقطۂ نظر کی حامل تھیں۔[16]

لیلیٰ احمد کی رائے میں، اسلامی تاریخ کے مختلف فکری دھارے نبی محمد ﷺ کی اخلاقی ہدایات کو عام طور پر اس مخصوص سماجی اور تاریخی تناظر تک محدود سمجھتے ہیں جس میں وہ نازل ہوئیں، اور انہیں ہر زمانے اور مقام پر حرف بہ حرف نافذ کرنے کی پابندی لازم نہیں مانتے—جیسا کہ روایتی علما کے حلقوں میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن مجید بنیادی طور پر جامع اور ابدی اخلاقی اصول پیش کرتا ہے، نہ کہ ہر دور کے لیے تفصیلی اور لازمی قانونی ضابطے۔ یہی لچک قرآن کو مختلف ادوار اور ثقافتوں میں نئی تشریحات کی اجازت دیتی ہے، اور ان تشریحات پر علماء کے ذاتی مزاج، پس منظر اور سماجی حالات گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

احمد اسلامی تاریخ میں خواتین کے مقام اور اس کی تبدیلیوں کا گہرا جائزہ لیتی ہیں اور یہ دکھاتی ہیں کہ مختلف گروہوں نے قرآن و سنت کی تعبیرات کتنی متنوع انداز میں کیں۔ مثلاً رابعہ بصری کی صوفیانہ روایت، خوارج کی سخت گیر مگر بعض معاملات میں مساواتی تشریحات، اور قرامطہ کی انقلابی تعبیریں اس تنوع کی واضح مثالیں ہیں۔

انیسویں صدی میں محمد علی پاشا کے مصری دور کی سماجی اور معاشی اصلاحات کے تناظر میں خواتین کو گھروں سے نکل کر مردوں کی جگہ ملازمتوں اور کام سنبھالنے کے مواقع ملے، جبکہ تعلیم اور سماجی بہبود کے پروگراموں نے ان کی شرکت کو فروغ دیا۔ رفاعہ رافع الطہطاوی نے خواتین کی جدید تعلیم کی کھل کر حمایت کی، جبکہ عائشہ تیمور جیسی ادیبہ اور شاعرہ نے مردوں کے

روایتی رویوں اور سماجی ساخت پر کھل کر تنقید کی اور خواتین کی آواز کو بلند کیا۔[17]

قاسم امین کی تصنیف "تحریر المراۃ" نے یورپی خیالات سے متاثر ہو کر عرب سماج میں عورتوں کے حقوق کا ایک بڑا بحث چھیڑ دی تھی، جسے بہت سے مسلم قوم پرست مفکرین نے سختی سے رد کیا۔ لیلیٰ احمد کی رائے میں قاسم امین دراصل نوآبادیاتی منصوبے کا حامی تھا جو اسلامی معاشرے کی مردانہ برتری کو مغربی طرز کی برتری سے بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیلیٰ احمد اپنے تحقیقی کام میں یہ بات واضح کرتی ہیں کہ اسلام کے اصولوں کی تفسیریں ہر تاریخی دور میں سیاسی، سماجی اور فکری ماحول سے متاثر رہی ہیں۔ ان کے مطابق ایک غالب رجحان وہ رہا جو حکمران طبقات کی حمایت حاصل کرتا رہا اور اس نے مرد محور قوانین کے ذریعے صنفی کرداروں کو سختی سے طے کیا، جیسے نابالغ لڑکیوں کی شادی کو جائز قرار دینا یا غلام عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات کو درست ٹھہرانا۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا، زیادہ اخلاقی اور روحانی زاویہ بھی موجود رہا جو صوفیانہ گروہوں، خوارج اور قرامطہ جیسی غیر مرکزی تحریکوں میں نظر آتا تھا؛ یہ زاویہ انسانی مساوات اور اخلاقی اصولوں پر زور دیتا تھا، مگر سیاسی طاقت نہ ملنے کی وجہ سے یہ ہمیشہ پس پردہ رہا۔

لیلیٰ احمد کی نظر میں قرآن مجید بنیادی طور پر اخلاقی اور روحانی ہدایت دیتا ہے، نہ کہ تفصیلی قانونی احکام کا مجموعہ، اور اس کی تشریحات علماء کے ذاتی فکری رجحانات اور ان کے تشریحی طریقوں سے رنگ پکڑتی رہی ہیں۔ اس طرح وہ اسلام میں "جنس" کے تصور کو ایک مسلسل فکری اور سیاسی کشمکش کا نتیجہ سمجھتی ہیں، نہ کہ کوئی ایک حتمی اور واحد حقیقت۔

یہ زاویہ نظر اسلامی تاریخ میں جنسی تشریحات، نوآبادیاتی اثرات اور اصلاحی تحریکوں کے سیاق میں مسلم عورتوں کی تبدیل ہوتی معاشرتی حیثیت کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔

خلاصہ کلام:

لیلیٰ احمد کی سوچ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور فیمنزم کے درمیان کوئی لازمی تصادم نہیں ہے، بلکہ دونوں کے مابین ایک مفید مکالمے کی گنجائش موجود ہے۔ اسلام کی بنیادی ہدایات میں انصاف، وقار اور عزت جیسے اصول شامل ہیں، جو فیمنزم کے اہداف—مثلاً خواتین کی خود مختاری، مساوی مواقع اور سماجی شرکت—سے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ انہیں تاریخی مسخ اور ثقافتی رکاوٹوں سے پاک کر کے دیکھا جائے۔ ایک متوازن نقطہ نظر یہ ہے کہ خواتین کی آزادی کو مذہبی اور اخلاقی دائروں میں رہتے ہوئے فروغ دیا جائے، تاکہ نہ صرف صنفی مساوات حاصل ہو بلکہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پائے جو عدل، احترام اور توازن کی بنیاد پر کھڑا ہو۔ لیلیٰ احمد فیمنزم کو نوآبادیاتی بیانیے سے الگ تھلگ کر کے اسے مسلم سیاق میں ایک خود مختار فکری اور تاریخی اظہار کی شکل میں دیکھتی ہیں، جو مقامی اقدار اور مذہبی ورثے سے مل کر خواتین کی آزادی کے نئے راستے کھولتا ہے۔ وہ عرب مشرق وسطیٰ اور اسلامی ماضی پر مطالعہ کرتی ہیں اور ابتدائی مسلم معاشروں کی فکری بنیادوں اور اداروں کا تجزیہ پیش کرتی ہیں، جو خواتین کی سماجی حیثیت کو سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک، مشرق وسطیٰ کے اسلامی معاشروں میں خواتین اور صنف سے متعلق مسائل کو ان کے سماجی، اداراتی اور لسانی ماحول میں جانچنا ضروری ہے۔

احمد خواتین کی تاریخ کو معاشی اور سماجی زاویوں سے پرکھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان کی تحقیق اسلامی قوانین اور خواتین کی حیثیت کو سماجی اور تاریخی پس منظر میں توڑ کر بیان کرتی ہے، جہاں مختلف مسلم برادریوں کے خیالات اور سماجی حالات کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ البتہ، کچھ شعبوں جیسے اسلامی وراثتی قوانین پر کم زور دیا گیا ہے، جو ان کے تجزیے کی حدود کو نمایاں کرتا ہے۔ لیلیٰ احمد

اسلامی ماضی اور سماجی ڈھانچوں کے تناظر میں خواتین اور صنف کے مسائل پر گہرا تجزیہ پیش کرتی ہیں، اور ان کے ذاتی اور ثقافتی تجربات ایک متوازن اور جامع علمی نقطہ نظر کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ان کا کام مسلم معاشروں میں صنفی پیچیدگیوں کو سماجی اور تاریخی ماحول میں سمجھنے کی کوشش ہے۔ ان کی فکری سمت فیمنزم کی تاریخی اور نظریاتی تشکیل کو اسلامی معاشرت اور ماضی کے پیچیدہ تناظر میں خواتین کے حقوق اور صنفی روابط کو جاننے کی سعی ہے، جو روایت اور جدیدیت کے بیچ میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔

احمد کا کام مسلم فیمنزم کو ایک متنوع، تاریخی اور تنقیدی زاویے سے بیان کرتا ہے جو نسوانیت کے عالمی اور مقامی پہلوؤں کو آپس میں جوڑتا ہے۔ اگرچہ ان کی تحقیق روایت اور جدیدیت کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن بعض اوقات مذہبی نصوص اور فقہی ورثے کی گہری سمجھ کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی توجہ زیادہ تر سماجی اور تاریخی عناصر پر مرکوز ہے، جس کی وجہ سے کچھ ناقد یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہبی متون کی متنوع تفہیم اور مقامی ثقافتی سیاق کو مکمل طور پر نہیں دکھایا گیا۔ اس کے علاوہ، کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ احمد کا زاویہ نظر مغربی فیمنزم کے اثرات کی وجہ سے مسلم فیمنزم کی مخصوص روایتی اور ثقافتی جہتوں کو کم اہمیت دیتا ہے، جس سے مقامی مسلم خواتین کے حقیقی تجربات کی عکاسی محدود رہ جاتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

1 Feminist Interpreters of the Qur'an | Virtual Mosque https://share.google/uDfxrv2g8PVtldrFn

2 2. Thomas, C. K. & Elizabeth Hook. (2001). Voice from The Gaps: Leila Ahmed. University of Minnesota.Yuliawati, Susi. 2018.

3 Thomas, C. K. & Elizabeth Hook. (2001). Voice from The Gaps: Leila Ahmed. University of Minnesota.Yuliawati, Susi. 2018.

4 Yulia Hafizah- Gender and Islam through Leila Ahmed's Lens: Methodology, Social Realities, and Personal Insights –Mu'adalah:Jumal Studi Gender dan Anak,Volumr 12,No,02,2024,129

5 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,15

6 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,15

7 النحل،58:16

8 النحل،59:16

9 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,55

10 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,55

11 النور،31:24

12 النور،32:24
13 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,56
14 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,64
15 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,70
16 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,87
17 Laila Ahmed-Women and gender in Islam: Historical roots of a modern debate-,134